

کے خیال سے حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم نے ایک مضمون بنایا اور درج ذیل قطعہ ارفانی خسرید کہ احباب جماعت کو بلاٹ لینے کی دعوت دی۔ جن محدودے چند احباب نے اس سے فائدہ اٹھایا، حضرت مولانا عبدالحق صاحب و ذرا رکھی ان میں سے ایک تھے وہ ایک جرأت مند اور فعال انسان تھے۔ انہوں نے پلاٹ لیا اور جلد ہی مکان بھی تعمیر کر لیا۔ شاہ صاحب مرحوم نے قریب ہی مسجد بھی بنا دی۔

۱۹۲۸-۳۸ء میں حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی نے بھی اپنی کوٹھی اسی مسجد کے پاس بنا لی۔ اس طرح حضرت مولانا کو تھی بھر کر امیر مرحوم سے قیضیاب ہونے کا قریبی موقع ملا۔ روز مرہ نمازوں کے اوقات میں شمولیت اور نماز کے مواقع بھی میسر آتے گئے۔ بعد کے زمانہ میں مجھے بعض دفعہ حضرت امیر مرحوم کے ہاں لاہور آکر رہنے کی سعادت نصیب ہونے لگی۔ ایسے موقعوں پر حضرت مولانا عبدالحق صاحب اور حضرت امیر مرحوم کی باہمی محبت اور ان کے ایک دوسرے کے قریب رہنے کی برکات کا نقشہ دیکھتا تو مجھے اس زندگی پر رشک آتا۔

حضرت امیر کے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب پر بڑا ہی فخر تھا۔ وہ ایک باوقار شخص تھے جن کی وفاداری اور استقامت میں کبھی بھی سرمو فسق نہ آیا۔ میں نے سنا ہے کہ کسی موقع پر ایک شخص نے آپ (حضرت امیر) پر اعتراض کیا کہ آپ کی جماعت نے کیا کام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک عبدالحق پیدا کیا ہے یہ گوئی چھوٹا کام ہے ایک عبدالحق کا پیدا ہو جانا واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جس میں حضرت امیر مرحوم کی براہ راست تربیت اور ان کے فیضانِ صحبت کا بڑا دخل تھا۔

۱۹۴۲-۵۵ء میں حضرت مولانا عبدالحق کی اہلیہ مرحومہ بیمار ہو گئیں اور ایک بے عرصہ کے لئے بغرض علاج ڈاڈر سینٹی ٹورم میں داخل رہیں اور اتنا مولانا مرحوم بھی بچوں سمیت ان کے ساتھ رہے اس طرح ہمیں بھی ان سے ملاقات اور ان کی محبت اور فیضانِ صحبت کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ اسثناء میں ان کی زندگی کو بھی قریب سے دیکھا۔ رکھا۔ ان کی بیمار بیگم صاحبہ کو دیکھنے کے لئے میں روزانہ اور بعض دفعہ دن میں زیادہ بار بھی جایا کرتا تھا۔ اس طرح ان کی خانگی زندگی کی جھلکیاں بھی میری نظر سے گزرتی رہتی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ان میں غیر معمولی قوتِ برداشت اور حلم و صبر پایا جاتا ہے۔ اور سخت خانگی دشواریوں کے اندر بھی ان کے چہرے کی شگفتگی بدر قرار رہتی۔ خصوصاً ان کے اخلاقِ فاضلہ کا سیکہ ہمارے دلوں پر بیٹھ گیا۔ آپ کا قصوٹے و طہارت اور آپ کی پاکیزہ زندگی تو ایک نمایاں چیز تھی۔ اس زمانہ میں نمازِ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت درسِ قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعود کی کتاب کے پڑھنے سنتے میں گزارنا ہمارا روزمرہ کامنول تھا۔ ہماری درخواست پر حضرت مولانا اس زمانہ میں درسِ قرآن کریم دیتے رہے۔ جس حصہ قرآن کریم کا انہوں نے آٹھ ایام تک دیکس دیا اس میں سورۃ الکھف بھی تھی۔ جس کی تفسیر انہوں نے کئی روز میں بیان فرمائی۔ سامعین جن میں غیر از جماعت احباب بھی موجود ہوتے تھے ان کے علمی کمالات سے بے حد متاثر ہوتے۔

ڈاڈر سینٹی ٹورم سے لڑنا ہو کر میں نے ایبٹ آباد میں سکونت اختیار کر لی تو موسم گرما میں ڈو روڈ سائیکلسوں کا انعقاد ہونے لگا اور سمر سکول کے نام سے دو مین ہفتوں کے تربیتی کورس

میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔ ان کے سرکوں کی گورج تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ سنی جائے گی۔ آپ کے مناظروں میں حقیقت و صداقت اور علم و حکمت کا مواد ہوتا اور نازک سے نازک مقام پر بھی موملہ مندی اور اسلامی اخلاق کا معاملہ کرتے۔ آپ کا مناظرہ مباحثہ فیصلہ کن ہوتا تھا۔ جس کا اعتراف انہوں کو ہی نہیں بلکہ بیرون کو بھی ہے۔ غیر مذاہب کے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ جو کوئی عدو مقابل آیا وہ سرنگوں رہا۔ غلبہ حق اور ابطال باطل کے میدان میں بھی حضرت مولانا مرحوم کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے انسان کبھی آتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو عظیم خلاء چھوڑ جاتے ہیں۔ تاہم وہ مرتے نہیں موت ان کے لئے حیات جاوداں کا دروازہ ہوتی ہے۔ ان کا چہنہ پیچھے آنے والوں کے لئے زندگی کے سفر میں چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا کی وفات سے قلم کو کافی دھکا لگا ہے۔ انہیں اشکبار ہیں اور دل غمگسار لیکن کلم من علیہا فان ویقنی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کی اہل حقیقت بھی سامنے ہے اس لئے رضایاً بالقضاء کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے عزیز بزرگ کی جڑائی میں اتنا اللہ و اتنا الیہ راجعون کہیں اور ان کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے مدارجِ بیش از بیش بڑھائے اور قیامت میں ان کا شرف صدقوں اور ابراہ کے ساتھ کرے۔ آمین آستہ ہمارے بزرگ گذرتے جاتے ہیں اسی طرح ہم بھی ایک دن چلے جائیں گے، لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ جو چلا جاتا ہے اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی دوسرا آگے نہیں آتا۔ تاہم اتنا تو ہو سکتا ہے کہ جو شمع انہوں نے جلائی تھی اگر ہم اس کی روشنی میں اضافہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی تلامذہ کی میں کمی نہ آنے دیں اور اس روشنی کو دنیا کے تاریک مقامات تک پہنچاتے رہیں۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہم ان سے کچھ سیکھیں اور ان کے راستہ پر چلیں۔ آپ بھی ہمیں رجال کی ضرورت ہے جو اُن کی طرح سوچ سکیں اور ان کی طرح محنت کر سکیں۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت مولانا جیسے وگ اب پیدا ہونگے یا نہیں میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ میں ذبواؤں سے کہوں گا کہ وہ حضرت مولانا کی طرح بننے کی کوشش کریں۔ حضرت مولانا اس دنیا سے تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ علوم و معارف اور کمالات کے خزانے بھی لے گئے۔ لیکن جو کچھ چھوڑ گئے وہ بھی کم نہیں۔ موجودہ اور آئندہ تسلون کی علمی اور دینی رہنمائی کے لئے اس میں بڑا قیمتی سامان موجود ہے۔ اس مستشرق سرمایہ کو اکٹھا کیا جائے۔ مولانا مرحوم کی خدمات کا اعتراف کرنے اور ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ ان کی زندگی میں ہمارے لئے خدمت و عمل کا سبق ہے۔

میں نے آپ کی زندگی کے صرف چند دیکھے واقعات جو ذالی طور پر میرے مشاہدہ میں آئے ہیں لکھنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۲۵ء کے گگ تھک ہر کے کنارے جہاں اب مسلم ٹاؤن آباد ہے احمدیہ بیچ بنا ہے

تو آپ نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی سرگذشت سنانی کیسے پہلے لندن گئے اور وہاں برٹش میوزیم میں اس کتاب کو تلاش کرتے رہے۔ جب کامیابی نہ ہوئی تو امریکہ گئے اور سان فرانسسکو اور نیویارک کی لائبریریوں میں تلاش کرتے رہے۔ وہاں پر کسی نے انہیں بتایا کہ یہ کتاب انہیں ادیار (دبیراس) کی بیٹی سو فیمل سوسائٹی کی لائبریری میں ملے گی تو وہ امریکہ سے دبیراس پہنچے، وہاں پتہ چلا کہ اس کتاب کا ایک ہی نسخہ ہے جو سلیون کی ایک لائبریری میں ہے، چنانچہ وہاں سے وہ کولمبو گئے اور اس طرح انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔

محترم داس ڈی محمد صاحب قریباً آدھ گھنٹہ حضرت مولانا کی خدمت میں رہے اور ان کی باتیں سنتے رہے۔ جب ان سے رخصت ہونے لگے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا ان کی زندگی کی ایک پرانی خواہش پوری ہو گئی ہے۔

یہ اپریل ۱۹۷۶ء کا واقعہ تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے آنکھ کا آپریشن کرایا جو برصغیر سے کامیاب نہ ہوا۔ ان کی آنکھ سے ہر وقت پانی بہتا تھا جو بار بار انہیں لاکھنا پڑتا تھا۔ یہ بات ان کے لئے مستقل پریشانی کا موجب تھی۔ ویسے بھی اس زمانے کے بعد ان کی عام صحت کمزور ہو گئی تھی۔ ان کی بڑی صاحبزادی مسز عزیز احمد صاحبہ انگلستان رہتی ہیں۔ ان کی بار بار درخواست پر آپ انگلستان تشریف لے گئے۔ وہاں آنکھوں کا معائنہ کروایا لیکن انہیں خاص فائدہ نہ ہوا۔ آنکھ کے علاج سے بڑھ کر ان کے پیش نظر اپنی کتاب محمد ان ورلڈ سکیچز کو اپنے حسب منشاء پھیلانے کا کام تھا۔ اس کام کے لئے وہ کافی دن وہاں ٹھہرے رہے لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کی موجودگی میں وہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ سردیاں آگئیں اور وہ واپس وطن لوٹ آئے۔

ان کے قیام انگلستان کے زمانے میں مجھے بھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا اور چند بار ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوا۔ عبدالقادر کی نماز کے لئے وہ احمدیہ لائوس بھی تشریف لے گئے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ عید کا خطبہ وہ دیں لیکن ان کی کمزوری نے پیش نظر ان سے یہ درخواست کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ان دنوں میں وہ اکثر خاموش بیٹھے رہتے تھے جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ انکی طبیعت کی کمزوری کچھ زیادہ ہی بڑھ چکی ہے۔ ۱۹۷۶ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ نے ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ دیر تک تقریر فرمائی جو حسب معمول مہارت قرآنی سے لبریز تھی۔ یہ مجمع نے کمال توجہ اور شوق سے سنی۔ اس وقت کے معلوم تھا کہ وہ انہیں آئندہ جلسہ میں نہ دیکھ سکیں گے۔

اگست ۱۹۷۷ء کے آخری ہفتہ میں میرا انگلستان جانے کا ایک بار پھر پروگرام بن گیا۔ اس سفر پر روانگی سے ایک دو روز پہلے میں مرحوم بزرگ کی خدمت میں اودرعی سلام کے لئے حاضر ہوا۔ وہ اودیو کی منزل سے بچے تشریف لے آئے ان کی بہتر حالت دیکھ کر مجھے اطمینان سا ہو گیا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ میں انہیں آخری بار بل بل ہوں اور اقرار اپنی سے لیب

یاقتہ اس پاکیزہ اور حسین چہرے کو میں پھر نہ دیکھ سکوں گا۔ غالباً انہیں بھی اس بات کا علم نہ تھا کہ ہم

بھی شروع ہونے میں بیرونی جماعتوں کے نوجوان اور بزرگ اساتذہ حضرات بھی شریک ہوتے تھے۔ ایسی تقریرات۔ ہر بار میں نے حضرت مولانا کو شمولیت کے لئے دعوت دی تو ہر بار انہوں نے بطیب خاطر اسے قبول فرمایا۔ پیرانہ سال کے باوجود سفر کی صعوبت کو خوش دل سے برداشت کیا اور اپنی صحبت اور فیضان سے ہمیں مستفید فرمایا۔ ایسے جلسوں کے بعد میں ہر بار انہیں چند دن کے لئے اپنے ہاں قیام و آرام کرنے کی درخواست کرتا تو آپ دلچسپ اور میری خاطر ہنہر جاتے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ کافی دن آرام کریں اور لاہور کی گرمی سے محفوظ ہو جائیں تاکہ ان کی صحت پر بھی اچھا اثر ہو۔ لیکن زیادہ قیام کے لئے مولانا کبھی تیار نہ ہوتے۔ ایک سال مجھے معلوم ہوا کہ ان کی صحت لاہور کی شدت گرمی کی وجہ سے اچھی نہیں رہتی تو ان سے اصرار کیا کہ ایٹ آباد آجائیں اور ان کے لئے ٹھہرنے کا علیحدہ حصہ مکان میں انتظام کیا تاکہ وہ سکون و اطمینان سے اپنا علمی کام بھی جاری رکھ سکیں۔ وہ تشریف لائے لیکن ہفتہ عشرہ سے زیادہ قیام پر راضی نہ ہوئے اور لاہور واپس تشریف لے گئے۔

۱۹۷۶ء کے آخر میں میں نے لاہور آکر دارالسلام میں رہائش اختیار کر لی تو شروع شروع میں حضرت مولانا کے خطبات سنیے کے لئے مسلم ٹاؤن کی احمدیہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے جاتا۔ پھر جب یہ فیصلہ ہوا کہ دارالسلام کی تعمیر شدہ جامع مسجد کو بھی آباد کیا جائے اور نماز جمعہ وہاں بھی پڑھائی جائے۔ تو میں نے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ وہ یہاں جمعہ پڑھایا کریں۔ وہ دو چار بار تشریف لائے بھی لیکن اس خیال سے کہ مسلم ٹاؤن کی مسجد ان کے بغیر آباد ہو جائے گی انہوں نے دارالسلام آنا بند کر دیا اور مسلم ٹاؤن کی مسجد میں ہی جمعہ پڑھاتے رہے۔ البتہ عیدین کی نمازوں اور دیگر خاص تقریبات کے لئے وہ دارالسلام ہی تشریف لاتے رہے۔

اپریل ۱۹۷۶ء میں جب امریکہ کے ہلالی مسلمانوں کے جمعیت امام مسٹر داس ڈی محمد ہمارے جہان کی حیثیت سے لاہور تشریف لائے تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے ملنا چاہتے ہیں اور وہ اپنے بھائی مسٹر ہر برٹ محمد اور بھتیجے مسٹر سلطان محمد کی صحبت میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ بڑی عقیدت اور ادب و احترام سے حضرت مولانا سے ملے۔ جناب والس ڈی محمد صاحب نے کہا کہ:

”آج میری ایک پرانی آرزو پوری ہوئی ہے

کہ مجھے محمد ان ورلڈ سکیچز جیسی نایاب

کتاب کے مؤلف و مصنف کی زیارت

تصیب ہوئی ہے۔ میں نے آپ کی کتاب

تین بار پڑھی ہے یہ بہت عظیم الشان ریسرچ

ورک ہے جس کی مثال علمی دنیا میں نہیں ملتی“

دوران گفتگو میں نے حضرت مولانا کو مخاطب کیے عرض کیا کہ آپ انہیں اپنی زبانی بتائیں کہ آپ نے بڑھمت کی اپنی کتاب کے حوالہ سے تلاش میں کہاں کہاں کا سفر کیا

ایک مبارک زندگی کا مبارک انجام - بقیہ ص ۱۰

دو دنوں کی یہ آخری ملاقات ہے۔

میں انگلستان میں ہی تھا کہ محترم جناب میاں نعیم احمد فاروقی صاحب کے خط سے جو انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو لکھا تھا حضرت مولانا کی وفات کی رُوح فرما خیر علی۔ خط سے مولانا کے آخری اوقات کی کچھ ایمان افسردہ باتیں بھی معلوم ہوئیں جو ان کے خاتمہ بالخیر کی نشاندہی کرتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ نماز رُوحی

صاحب ان کی وفات سے ایک روز پہلے مولانا کی عیادت کے لئے گئے تو حضرت مولانا نے ان کو

اپنا خواب یا کشف سنایا کہ ”حضرت مولانا محمد علی صاحب تشریف لائے ہیں اور ان سے فرمایا ہے ہیں کہ بستر باہر ہیں

اور میرے ساتھ حج کے لئے چلیں۔“ خواب س کر

جناب فاروقی صاحب نے ہنس کر مولانا صاحب سے کہا کہ اس طرح تجھے حضرت امیر مرحوم اپنے ہمراہ لے جائیں تو میں ابھی تیار ہوں پھر دونوں ہنسنے لگے۔

ذوقی صاحب نے خط میں یہ بھی لکھا کہ عجیب واقعہ ہے کہ

حضرت مولانا کی وفات اُن ساعتوں میں ہوئی جب

عرفات کے میدان میں حج ہو رہا تھا۔ خود فاروقی صاحب کو اس سانحہ جاگداز کی خبر جس وقت پہنچی وہ سلیووٹوں کے ساتھ حج کی فلم دیکھ رہے تھے جو اس وقت خلائی سیارے کے ذریعہ

میدان عرفات سے براہ راست ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھی۔ ایک مبارک زندگی کا یہ مبارک انجام ہوا۔ حضرت مولانا اس جہان میں جتنی زندگی جینے اور آثار سے عیاں ہے کہ ان کی اس زندگی کا ختمہ

بھی بالآخر ہوا۔ ہماری دعا ہے اور خداوند ذوالعین کی بارگاہ سے یقین کی حد تک اُمید بھی رکھتے ہیں کہ ان کا مقدم اس نعرہ ابرار میں ہو جن کے متعلق قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:—

” اولئك هم الوارثون الذين يرثون
القرودوس هم فيها خالدون۔“
(وہی لوگ تو وارث ہیں جو بہشت کے وارث ہوں گے
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)